مولوی نذیر احمد کے ناولوں میں معاشی تصورات

صائمہ اقبال*
Saima Iqbal
ڈاکٹر پروین اختر کلّو**
Dr. Parveen Akhtar Kallu

Abstract:
"Nazir Ahmad was an urdu writer, social and religious reformer and scholar. He was concerned with Muslim women's education. Most of his novels revolve around the idea of the perfect women. One of his purpose to guide the women in the field of economic. In this artical economicaly analysis of his novels are presented."

یورپ میں پندرہویں صدی میں صنعت کے میدان میں انقلاب آیا۔ اٹھارہویں صدی میں ہندوستان کے انگلستان سے روابط کا آغاز ہوا۔ ۱۸۵۷ء میں ہندوستان سے مغل سلطنت کے خاتمے کے بعد مغربی نظام سیاست اور نو آبادتی نظام نے اس سرزمین پر اپنی جڑیں بنانی شروع کیں اور سرمایہ دارانہ نظام کو متعارف کروایا۔ نظام حکومت کے بدل جانے سے ملک کا معاشی نظام بھی بدل گیا۔ اس نئے نظام سے زراعت کو بہت نقصان پہنچا۔ اس نظام معیشت کی تباہی سے ملک میں معاشی بحران پیدا ہو گیا۔ غدر کے بعد اس معاشی بحران نے حساس ذہن کو بہت متاثر کیا۔ ان حساس ذہن رکھنے والوں میں ناول نگار بھی تھے۔ ان ناول نگاروں میں سب سے پہلے ناول نگار مولوی نذیر احمد ہیں۔

نذیر احمد دہلوی

ڈپٹی نذیر احمد اردو کے اہم ناول نگار ہیں۔ جو اترپردیش انڈیا میں ۱۸۳۰ء میں پیدا ہوئے اور دہلی میں ۱۹۱۲ء میں وفات پائی۔ ان کے اہم ناول مراۃ العروس (۱۸۶۹ء)، بنات النعش (۱۸۷۲ء) توبۃ النصوح (۱۸۷۴ء) فسانۂ مبتلا (۱۸۸۵ء) ابن الوقت (۱۸۸۸ء) ایامیٰ (۱۸۹۱ء) اور

☆ پی ایچ۔ڈی اسکالر، شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد
☆☆ ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد

رویائے صادقہ (۱۸۹۲ء) ہیں۔ مولوی نذیر احمد نے اپنے ناولوں میں زیادہ تر اصلاحی پہلوؤں کو مد نظر رکھا ہے۔ مگر ان کے ناولوں میں معاشی تصورات کی بھی بھر پور عکاسی ملتی ہے۔

نذیر احمد کے ناولوں میں مزدور اور سرمایہ دار یا کسان اور زمین دار کی طبقاتی کشمکش تو نہیں ملتی۔ لیکن ان کے ناولوں میں خوش حال اور کنگال، حال مست اور کھال مست ہر طرح کے لوگ نظر آئیں گے اگر انھوں نے خوش حال طبقے کے امیرانہ چونچلوں کو بیان کیا ہے تو کنگال طبقے کے دکھ درد کو بھی بیان کیا ہے۔ انھوں نے عام لوگوں کے معاشی مسائل کو بیان کیا ہے اگرچہ ان کے ناولوں میں معاشی حوالے سے بیان زیادہ واضح نہیں ہے لیکن سارے ناولوں کی بنیاد ہی معاشی ڈھانچہ پر استوار نظر آتی ہے۔

مراۃ العروس

نذیر احمد کا پہلا ناول مراۃ العروس ہے۔ یہ ناول ۱۸۶۹ء میں لکھا گیا۔ یہ ناول دو بہنوں کے قصے پر مبنی ہے۔ بڑی بہن کو شادی کے بعد مزاج دار بہو اور چھوٹی بہن کو تمیز دار بہو کا خطاب ملا۔ مولوی نذیر احمد نے یہ ناول لڑکیوں کی تعلیم و تربیت کے لیے لکھا ہے۔ لیکن اس ناول میں جگہ جگہ امور خانہ داری اور متوسط طبقہ کے معاشی حالات کے حوالے سے معاشی تصورات کو بیان کیا گیا ہے۔ یہ قصہ تو تمیز دار بہو کی خوبیوں کو بیان کرتا ہے۔ لیکن ساری بحث امیری و غریبی پر مشتمل ہے۔ اس ناول میں یہ بتایا گیا ہے کہ کس طرح ایک پڑھی لکھی لڑکی اپنی سمجھ بوجھ سے اپنے معاشی حالات کو بہتر کر سکتی ہے۔

اس ناول میں اہم کردار اور ان کے ذرائع معاش یہ ہیں۔ اصغری کے والد کا نام دور اندیش خان ہے جو تحصیلدار ہیں۔ اصغری کے سسر محمد فاضل لاہور میں ایک رئیس کے ہاں مختار ہیں۔ اور پچاس روپے ماہوار پاتے ہیں۔ اصغری کا جیٹھ محمد عاقل دس روپے پر نوکر ہے۔ اصغری کا خاوند محمد کامل شادی کے وقت طالبعلم تھا لیکن شادی کے بعد چھوٹے چھوٹے عہدوں کی عوضیاں کرنے لگا۔ دس روپے پر روز نامچہ نویس پھر سیالکوٹ جا کر پچاس روپے کا عہدیدار بن گیا۔ اصغری نے خود اپنے گھر میں لڑکیوں کا ایک مدرسہ بنا لیا۔

مولوی نذیر احمد نے تین طبقات کے حوالے سے معاشی تصورات کو بیان کیا ہے۔ پہلا طبقہ کا تعلق اشرافیہ سے ہے جس میں رئیس لاہور اور نواب جیمس شامل ہیں۔ دوسرا طبقہ متوسط طبقہ ہے جس میں اصغری کے میکے اور سسرال کے گھرانے شامل ہیں اور تیسرا نچلا طبقہ ہے جس کے

نمائندہ کردار حسن بی، ماما عظمت اور چھوٹے چھوٹے دوکاندار ہیں جو اصغری کے سسرال میں موجود ہیں۔

مولوی نذیر احمد نے اصغری کے کردار کے ذریعے بھی اہم معاشی تصورات کو بیان کیا ہے۔ اصغری نے پہلے اپنے گھر کا معاشی انتظام درست کیا۔ اپنی ذہانت کی وجہ سے اپنی ملازمہ ماما عظمت کی چوری کو پکڑا۔ گھر کے نظام و انصرام کے بہتر ہونے سے سے گھر کی معاشی حالت کافی حد تک سدھر گئی۔ گھر میں مدرسہ بنایا جو آہستہ آہستہ روزی کا ایک بڑا وسیلہ بن گیا۔ محمد کامل کو پہلے پڑھایا پھر اس کو نوکری کرنے کے لیے کہا۔ محمد کامل چھوٹی چھوٹی نوکریوں سے پچاس روپے کا عہدیدار بن گیا۔ اپنی نند محمودہ کی شادی پر پیش آنے والی معاشی مشکلات کا نہایت خوش اسلوبی سے حل تلاش کیا۔ محمودہ کے لیے مختلف سامان اور قیمتی زیورات کا انتظام اپنے گھر کے مختلف ذرائع معاش سے کیا۔ محمودہ اپنے ساتھ قیمتی سامان لے کر گئی۔ اصغری نے اپنے سسر کو آرام کرنے کا مشورہ دیا۔ اپنے جیٹھ کو ان کی جگہ پر کام کرنے کو کہا۔ اس طرح ناول میں ہمیں بہت سے معاشی مسائل اور ان کے حل نظر آتے ہیں۔ جن کا ذکر مولوی نذیر احمد نے غیر محسوس طریقے سے کیا ہے۔

ناول کے آغاز میں ہی نذیر احمد نے مرد اور عورت کی ذمہ داریوں کو بیان کرتے ہوئے مختلف ذرائع معاش کا ذکر کیا ہے۔ مردوں کو بھاری معاشی ذمہ داری دی گئی ہے کہ وہ مختلف ضروریات زندگی کے لیے محنت کریں اور روپیہ کما کر لائیں اس حوالے سے نذیر احمد لکھتے ہیں:

> " دنیا میں بھاری بوجھ مردوں کے سر ہے، کھانا کپڑا اور روز مرہ کے خرچ کی سب چیزیں روپے سے حاصل ہوتی ہیں۔ اور سارا گھڑاگ روپے کا ہے۔۔۔۔ کوئی بھاری بوجھ سر پر اُٹھاتا ہے کوئی لکڑیاں چیرتا، سنار، لوہار، ٹھیٹھرا، کیٹرا، کندلہ گر، زر کوب، دبکیہ، تار کش، ملمع ساز، جیڑیا، سلمہ ستارہ والا، آئینہ ساز، زردور، بنھیار، ڈھلیہ، بڑھئی، خرادی، ناریل والا، کنگھی ساز۔۔۔۔۔ وغیرہ جیسے پیشے والے ہیں۔ کسی کا کام جسمانی اور ذہنی تکلیف سے خالی نہیں اور روپے کی خاطر یہ تمام تکلیف مردوں کو سہنی اور اُٹھانی پڑتی ہے۔[۱]

دولت اور بلند معیار زندگی کا مطلب یہ نہیں کہ آپ خوش بھی ہوں اگر ایسا ہوتا تو پھر غریب انسان کبھی مطمئن نظر نہ آتا۔ خوشی کا تعلق معاشی خوشحالی سے نہیں بلکہ صلح کاری اور اتفاق

سے ہے۔ خوشی کا تعلق دولت سے نہیں ہے۔ اس نظریہ کے حوالے سے نذیر احمد اس طرح معاشی تصور پیش کرتے ہیں:

" غریب آدمی کو ہم دیکھتے ہیں کہ جن کی آمدنی بہت مختصر ہے۔ دن کو محنت مزدوری سے معمولی معاش پیدا کرتے ہیں اور رات کو سب مل کر دال روٹی سے پیٹ بھرتے ہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ خوش رہتے ہیں۔" (۲)

نذیر احمد نے نہ صرف اصغری کے ذریعے مختلف ذرائع معاش کی اہمیت اور ضرورت کو بیان کیا ہے بلکہ ان کے صحیح استعمال پر بھی زور دیا ہے۔ کیونکہ محنت سے کمائی ہوئی روزی کا حساب دینا پڑے گا۔ اس حوالے سے نذیر احمد یہ معاشی تصور پیش کرتے ہیں:

" اللہ میاں کے ہاں چل کر رتی رتی کا حساب دینا ہو گا۔ انار پٹاخے تو بڑے داموں کی چیز ہے اگر کوئی آدمی پانی بھی بے سبب لنڈھاتا ہے۔ اس سے بھی اللہ تعالیٰ پوچھیں گے۔۔۔ اس طرح روپے پیسے کا، کھانے کا کپڑے کا، تندرستی کا، غرض خدا نے جتنی عظمتیں اپنی مہربانی سے دی ہیں سب کا حساب دینا پڑے گا۔" (۳)

'مراۃ العروس' ناول میں یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ لڑکیاں گھر بیٹھ کر کس طرح اپنے گھر والوں کی معاشی حالت کو بدل سکتی ہیں۔ گھر سے باہر نکلے بغیر ہی اپنے لیے ذرائع معاش پیدا کر سکتی ہیں۔ اصغری نے مدرسہ کھولا، نہ صرف غریب لڑکیوں کو تعلیم دی بلکہ انہی کی بنائی ہوئی چیزوں کو بازار میں بیچ کر رقم حاصل کرتی تھی۔ اس طرح مدرسے کے ذریعے ایک اور معاش کا ذریعہ پیدا کر لیا نذیر احمد لکھتے ہیں:

"صبح سے دوپہر تک پڑھنا ہوتا تھا اور پھر کھانے کے واسطے چار گھڑی کی چھٹی، اس کے بعد لکھنا اور پھر دن رہے سے سینا، سینے کے کام میں گنجائش تھا۔ اس واسطے کہ نہ صرف سینا سکھایا جاتا تھا بلکہ ہر طرح کی جالی کاڑھنا، ہر ایک طرح کی سلائی۔۔۔ اس کام میں بچت ہونے لگی۔ جو کام لڑکیاں بنا دیتیں، دیانت اس کو چپکے سے بازار میں لگا آتی، اس طور رفتہ رفتہ مکتب کی ایک بڑی رقم جمع ہو گئی۔" (۴)

اس ناول میں اپنے عہد اور آنے والے دور کی لڑکیوں کو یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ وہ اپنے آپ کو معمولی نہ سمجھیں بلکہ وہ پڑھ لکھ کر اپنے گھر کی معیشت میں اضافہ کر سکتی ہیں۔ اس لیے یہ ناول معاشی تصورات کا بہترین عکاس ہے۔

بنات النعش

مولوی نذیر احمد کا ناول بنات النعش ان کے پہلے ناول مراۃ العروس کی ہی اگلی کڑی ہے۔ یہ ناول ۱۸۷۲ء میں شائع ہوا۔ یہ ناول بھی تعلیم نسواں پر لکھا گیا ہے۔ اس کے اہم کردار اصغری اور حسن آراء ہیں۔ اس ناول میں دو طبقات کے ذکر سے معاشی تصورات کو پیش کیا گیا ہے۔ ایک امیر طبقہ ہے جس کی نمائندہ حسن آراء ہے اور دوسرا متوسط طبقہ ہے جس کی نمائندہ اصغری بیگم ہے۔ اس ناول میں معاش کا ذریعہ ایک مدرسہ ہے جس میں علاقے کی لڑکیاں پڑھنے آتی ہیں۔ اصغری خانم مدرسہ میں استانی ہے اور حسن آراء اس کے پاس پڑھنے آتی ہے۔

اس ناول میں خوشحال گھرانے کی بگڑی ہوئی لڑکی کے حوالے سے معاشی تصورات کو پیش کیا گیا ہے۔ جس کو حد سے زیادہ دولت اور زندگی کی آرائشوں نے بدمزاج بنادیا ہے۔ شرارت، بدمزاجی، خودپسندی، بیباکی، جنگجوئی، غیبت اور بے ہنری اس کی ذات کا حصہ تھیں۔ اپنی دولت پر اترانا اور غریبوں کا مذاق اس کی عادت کا حصہ تھیں۔ دولت مندی سے جن جن خرابیوں کا پیدا ہونا تھا۔ وہ تمام خرابیاں اس کی ذات کا حصہ تھیں۔ نذیر احمد نے اس ناول میں واضح انداز میں ملک کے معاشی حالات کا ذکر نہیں کیا لیکن معاش کا انسان کے رویوں اور عادتوں پر کیا اثر پڑتا ہے۔ اس کے حوالے سے معاشی تصورات کا بیان اس ناول میں جگہ جگہ ملتا ہے:

> "دولت بھی بہت بُری چیز ہے۔ آدمی کو شیطان بنادیتی ہے۔"(۵)

انسان کی بنیادی ضروریات بہت کم ہیں۔ اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ امیرانہ زندگی کی چونچلے ہیں جو شیخی اور نمود وڈینگ کے بیہودہ سامان ہیں۔ ان کو داخل زندگی نہیں کیا جاتا۔ نذیر احمد اس معاشی تصور کے حوالے سے لکھتے ہیں :

> "پیٹ بھر لینے کو دال دلیا کچھ غذا چاہیے اور تن بدن ڈھک لینے کو موٹا چھوٹا کپڑا، بس اتنا تو ضرور ہے اور اس کے علاوہ سب انسان کی خود بینی اور تن پروری اور آرام طلبی کے ڈھکوسلے ہیں۔ سو جو چیزیں حقیقت میں اہم ہیں گاؤں والے اپنے ہاتھوں پیدا کر لیتے ہیں۔ کھانے کا غلہ اور میوے اور ترکاریاں، روئی تمباکو کوسم نیل سبھی کچھ تو کھیتوں میں ہوتا ہے۔" (۶)

نذیر احمد نے اس ناول میں جاگیر دارانہ ذہنیت، طبقاتی تقسیم، طبقاتی کشمکش اور اس سے پیدا شدہ منافرت، حکمران طبقہ کے مظالم، غریبوں کی مظلومیت اور عوام کے حقوق کے حوالے

سے معاشی تصورات کو بیان کیا ہے ۔ مصنف نے امیرانہ ذہنیت کی عیاشیوں کے ساتھ ساتھ غریبوں کے ذہن سے احساس کمتری کو بھی ختم کرنے کی کوشش کی ہے۔ نذیر احمد لکھتے ہیں:

" حسن آراء: روپیہ والوں کو جتنا ناز اور جتنا گھمنڈ ہو سب بجا اور درست ہے" (۷)

ایک اور جگہ پر حسن آراء کے ذریعے معاشی خوشحالی کا ذکر اس طرح کرتے ہیں :

"روپیہ ہو تو گھر بیٹھے دنیا کا سامان لے لو اور نوکر تو ایک صبح رکھو ایک شام میں، تو میں یہ جانتی ہوں کہ دولت بڑی چیز ہے۔ جس کے پاس دولت ہے وہ کا محتاج نہیں اور تمام دنیا اس کی محتاج ہے۔" (۸)

اور جگہ پر اپنی کلاس کی لڑکی رابعہ کے سوال پر اس طرح جواب دیتی ہے:

"حسن آراء: رعیت رعیت میں فرق ہے ، غریب سختی برداشت کر سکتے ہیں۔ امیر غریب بھی ہو جائے تو بھی امیری کی بو کئی پشت نہیں جاتی۔" (۹)

نذیر احمد نے حسن آراء کے امیرانہ تصورات کے بعد اصغری اور محمودہ کے ذریعے متوسط طبقے کے معاشی شعور کی نمائندگی کی ہے۔ لکھتے ہیں:

"غریبوں نے آخر کیا قصور کیا ہے۔ کیا غریبوں کی جان نہیں۔" (۱۰)

معاشی حوالے سے امیر طبقہ پر اس طرح طنز کرتے ہیں :

" جتنے بادشاہ ہیں سب لوگوں کے بنائے ہوتے ہیں " (۱۱)

مولوی نذیر احمد نے اس ناول میں معاشی حوالے سے جاگیرداروں اور شاہ پرستوں کے خلاف آواز اٹھائی ہے۔ اور اہم معاشی تصورات پیش کیے ہیں۔

توبۃ النصوح

یہ ناول ۱۸۷۷ء میں لکھا گیا۔ اس ناول میں متوسط طبقے کے حوالے سے معاشی تصورات موجود ہیں۔ اس ناول کا بنیادی موضوع تربیتِ اولاد ہے۔ گھر کا سربراہ ہیضہ کی بیماری میں مبتلا ہے۔ اس نے بیماری کی حالت میں خواب دیکھا اور یہ خواب ہی سارے قصے کی جان ہے۔ حشر، اعمال نامہ اور حساب، قبر کی تکلیف اور دوزخ کا عذاب یعنی قیامت کے حالات جن کا وہ اپنے مذہب اسلام کے مطابق معتقد تھا۔ خواب سے بیدار ہو کر اس نے اپنے گھر والوں کی اصلاح شروع کی۔

اس ناول میں نصوح متوسط طبقے کا نمائندہ ہے اس کے معاش کا ذریعہ تھوڑی سی زمین ہے۔ نصوح کا بیٹا ' کلیم ' شاعر ہے اور باپ کی دولت کا بے جا استعمال کرتا ہے۔ فطرت ' کا ذریعہ

معاش ویسے تو زمینیں ہی ہیں لیکن اس کا اصل پیشہ معصوم اور مجبور لوگوں کو دھوکہ دے کر اس کی زمینیں ہتھیانا ہیں۔ ’ مرزا ظاہر دار بیگ ‘ کا ذریعہ معاش جھوٹ، فریب، ظاہری نمود و نمائش اور امیر لوگوں سے دوستی کر کے ان کی جھوٹی تعریف اور ان کی دولت پر ہاتھ صاف کرنا ہے۔ اس ناول میں معاشی تصورات کی عمدہ عکاسی ملتی ہے۔

اس ناول میں متوسط طبقہ کے حالات زندگی اور ان کی معاشی حالات کو بیان کیا گیا ہے۔ اس ناول کے آغاز ہی میں نصوح اپنے معاشی وسائل کے بارے میں اس طرح سوچتا ہے۔ اس کے معاشی حالات پہلے ٹھیک نہیں تھے۔ وہ سوچتا ہے کہ اس کے مرنے کے بعد اس کے گھر کا انتظام کیسے چلے گا۔ ابھی دو بڑے بچوں ’کلیم ‘ اور ’ نعمیہ ‘ کی شادی ہوئی ہے۔ دو بیٹے اور ایک بیٹی رہتی ہے جن کی ابھی شادی کرنی ہے۔ یہی بات اس کو بہت تکلیف دے رہی تھی۔ نذیر احمد نے نصوح کی معاشی پریشانیوں کے حوالے سے معاشی تصورات کو اس طرح بیان کیا ہے:

’’ بیش بنی اور مال اندیشی کر کے پار سال گاؤں لیا تھا۔ ابھی تک پٹی داروں نے اس میں اچھی طرح تسلط نہیں بیٹھنے دیا۔ اب جو چالیس پچاس بیگھ سیر کر کے نیل بو لیا ہے۔ وہ سب گیا گزر ہوا۔ گودام پر جو روپیہ لگا دیا تھا۔ وہ بھی ڈوبا۔ رہنے کے مکان میں کس قدر تنگی سے بسر ہوتی ہے۔ کوئی مہمان آنکلتا تو شرمندہ ہونا پڑتا ہے۔‘‘(۱۲)

’’ کلیم ‘‘ نصوح کا بڑا بیٹا ہے۔ باپ کی عدم توجہ کی وجہ سے بہت بگڑ گیا ہے۔ بلکہ باپ کے سمجھانے پر بھی راہ راست پر نہیں آیا۔ مصنف نے ’کلیم ‘ کے کردار میں بگڑے ہوئے اعلیٰ طبقے کی عیاشیوں کو دکھایا ہے۔ اس وقت طبقہ اشرافیہ کی سب سے بڑی خامی یہ تھی کہ ان میں نمود و نمائش اور دکھاوا بہت تھا۔ اس کے علاوہ تکلف، تصنع، ظاہر داری اور مکر و فریب ان میں عام پایا جاتا تھا۔ ان کے معاشی زوال کا یہ عالم ہے کہ لوگ ذاتی مفاد کے لیے غیر تو غیر، اپنوں کا گلا کاٹنے پر تلے رہتے ہیں۔ برداری کے جھگڑے کئی کئی پشت تک چلتے ہیں۔ مقدمے بازیاں ہوتی ہیں اور بھائی بندوں کی جائیدادیں ہڑپ کر کے بیٹھ جاتے تھے۔

جب زمانہ بدلا تو مسلمانوں کی حکومت و اقتدار کی بساط بھی الٹ گئی۔ چند لنگڑے نواب اور لٹے پٹے رئیس باقی رہ گئے جن کی جاگیریں بھی اب ہندو ساہو کاروں کے ہتھے چڑھ رہی تھیں۔ لیکن جاگیرداری دور کی تمام لعنتیں ابھی تک قوم پر مسلط تھیں۔ وہی شہ خرچیاں تھیں جو شریف

زادوں پر تسلط قائم کیے ہوئے تھیں۔ ان مشاغل کی ادائیگی میں سارا بوجھ ان کی معاش پر پڑتا تھا۔ ان فضول مشاغل کا حال ' کلیم ' کی زبانی سنیں:

" ہمارے محلے میں میاں وزیر بادشاہی پیادوں کے جمعدار بڑے شاطروں میں مشہور ہیں۔ میں فرزین اُٹھا کر ان کے ساتھ کھیلتا ہوں، گنجفہ اگرچہ کم کھیلتا ہوں ۔لیکن بیٹھ جاؤ تو ایسا بھی نہیں کہ کوئی صفو پر نادری چڑھائے اور قریب قریب یہی حال تاش اور چوسر کا ہے۔۔۔ کبوتر، جیسے آج ہماری چھتری کے دام دار ہیں شہر میں شاید ہی دو چار جگہ اور ہوں گے۔۔۔۔"(۱۳)

یہ تمام مشاغل انیسویں صدی کے نصف اول تک شریف زادوں کے معمولات میں داخل تھے۔۱۸۵۷ء کے انقلاب کے بعد بھی امراء کے دیوان خانوں کا یہی حال تھا۔ انہی مشاغل کی وجہ سے ان کی رہی سہی معاشی حالت مزید خراب ہو رہی تھی۔

'توبہ النصوح' ناول میں نذیر احمد نے مقروض صاحب اور بنئے کا واقعہ بیان کر کے غدر کے بعد مسلمانوں کی معاشی بد حالی کی ایک عبرت ناک تصویر پیش کی ہے۔ خان صاحب کی مفلسی کا یہ حال ہے کہ وہ اپنے گھر کا سارا سامان اور بیوی کی چاندی کی دونوں چوڑیاں بھی بنئے کو دیتا ہے۔ لیکن اصل اور سود ملا کر کل سات روپے کا مطالبہ بھی ادا نہیں کر سکا۔ کیونکہ یہ تمام اثاثہ ساڑھے چار روپے کا ٹھہرتا ہے۔

نذیر احمد کے ناولوں میں ایسے کردار بھی نظر آتے ہیں جو محلوں کے خواب ضرور دیکھتے ہیں۔ لیکن جھونپڑوں یا کھنڈروں میں رہتے ہیں اور افلاس و بے روزگاری یا اصراف و وضع داری کے ہاتھوں سخت معاشی کش مکش میں مبتلا ہیں۔ اس صورت حال کا نمائندہ کردار اس ناول میں مرزا ظاہر دار بیگ ہے۔

مرزا ظاہر دار بیگ مرزا بانکے کا بیٹا ہے مگر ہر جگہ اپنے آپ کو جمعدار کا فرزند بتاتا ہے۔ معاشی حالت بہت خراب ہے۔ اپلوں کی ٹال کے پاس کچے مکان میں رہتا ہے۔ مگر لوگوں کو یہ تاثر دیتا ہے کہ جمعدار کی حویلی اور جملہ جائیداد سب اس کی ہے۔ یہ جاگیر دار نہ نظام کے کھوکھلے پن تصنع، بناوٹ، دکھاوا اور کمزوریوں کو چھپانے کے لیے چرب زبانی اور مفلسی کو چھپانے کے لیے ظاہری ٹیپ ٹاپ اور آرائش، مصنوعی زندگی اور ظاہر داری کا بہترین نمونہ ہے۔ سات روپے مہینہ

آمدنی میں مرزا ظاہر دار بیگ کی اس قدر سج دھج دیدہ زیب ہے۔ نذیر احمد نے ظاہر دار کے کردار کے کھوکھلے پن کے حوالے سے اس طرح بیان کیا ہے:

> ''کلیم: ' یہ کیا ماجرا ہے ؟ تم تو کہا کرتے تھے کہ ہمارے یہاں دھری محل سرائیں، متعدد دیوان خانے، کئی پائیں باغ ہیں۔ حوض اور حمام اور کٹڑے اور گنج اور دوکانیں اور سرائیں، میں تو جانتا ہوں کہ عمارت کی قسم سے کوئی چیز ایسی نہ ہو گئی جس کو تم نے اپنی ملک نہ بتایا ہو۔ یا یہ حال ہے کہ ایک متنفس کے واسطے ایک شب کے لیے تم کو جگہ میسر نہیں۔''(۱۴)

مصنف نے اس ناول میں متوسط طبقہ کی معاشی حالت اور نواب طبقہ کی معاشی عیاشیوں کو بیان کیا ہے۔ نو آبادیاتی دور میں انگریزوں نے مسلمانوں پر معاشی ترقی کے دروازے بند کر دیے تھے۔ جس کی وجہ سے کیا غریب کیا نواب سب معاشی حوالے سے زبوں حالی کا شکار تھے۔ انہی معاشی تصورات کی نشاندہی مصنف نے اس ناول میں کی ہے۔

فسانۂ مبتلا

'فسانۂ مبتلا' ناول میں تعداد ازدواج اور معاشی مسائل کے حوالے سے معاشی تصورات کو پیش کیا گیا ہے۔ یہ ناول ۱۸۸۵ء میں لکھا گیا۔ اس کے مصنف مولوی نذیر احمد ہیں۔ اس کے علاوہ حقوق العباد، میراث کے وسائل اور وکیلوں، زمینداروں کے عام رویوں کے بارے میں معاشی تصورات کو اس ناول میں بیان کیا گیا ہے۔ مولوی نذیر احمد نے اس ناول میں متوسط طبقے کے معاشی مسائل کو بیان کیا ہے۔ اس ناول کا اہم کردار 'مبتلا' ہے۔ مبتلا کا تعلق متوسط طبقے سے ہے۔ مبتلا کی پیدائش نو بہنوں کے بعد ہوئی تھی اس وجہ سے اس کی پرورش لاڈ پیار میں ہوئی۔ اس لاڈ پیار نے مبتلا کو بے حد ضدی، گستاخ اور حسن پرست بنا دیا تھا۔ مبتلا جس محلے میں رہتا تھا اس محلے میں مختلف پیشہ ور رہتے تھے۔ ان میں دھوبی، کنجڑے، بھٹیار، قصائی، تیلی اور نچلے طبقے کے سبھی لوگ شامل تھے۔ مبتلا کو مدرسے میں داخل ہوئے چار سال ہوئے تو اس کو وظیفہ ملنا شروع ہو گیا تھا۔ باپ کے مرنے کے بعد مبتلا کے معاشی حالات بہت خراب ہو گئے۔ مدرسہ جانا چھوڑ دیا جس کی وجہ سے وظیفہ آنا بھی بند ہو گیا۔ آمدنی کے جتنے بھی ذرائع تھے سب بند ہو گئے کیونکہ مبتلا اپنی عیاشیوں میں پڑا رہا اور باپ کی چھوڑی ہوئی جائیداد کی حفاظت نہ کر سکا۔ مبتلا اپنے گھر کی معاشی ضروریات کو کس طرح پوری کرتا تھا۔ اس کے بارے میں نذیر احمد لکھتے ہیں :

" مبتلا کے ہاتھ لگ لگا تھاماں کا زیور، اُسی سے یہ سارے گل چھڑے اڑا رہے تھے۔
دو پونے دو ہزار کا زیور اس مرحومہ کا تھا۔ چھے مہینے میں سب خالص لگ چکا۔ اب
مہینے ہوا مہینے سے ادھار پر گزران تھا۔"(۱۵)

مبتلا اپنے خراب معاشی حالات میں دھنستا ہی جا رہا تھا۔ ان حالات میں اس کے چچا اس کے کام آئے۔ انھوں نے اس کی معاشی حالت کو درست کرنے کے لیے پہلے اس کو لے کر سرکار کے پاس گئے۔ وہاں کے کلرکوں سے بات چیت کی، کسی جگہ پر روپیہ بہایا۔ کسی جگہ پر تعلقات سے کام نکالا، کسی جگہ پر منت سماجت کی اور کسی جگہ پر مرحوم بھائی کی خدمات بیان کیں۔ چنانچہ کئی مہینے کی بھاگ دوڑ سے اس کے والد کی رکی ہوئی تنخواہیں بحال ہو گئیں۔ اب اس میں ترمیم یہ کی گئی کہ جتنی تنخواہیں بحال ہوئیں وہ سب کی سب مبتلا کی بیوی ' غیرت بیگم ' کے نام جاری کی گئیں تا کہ پھر گھر میں معاشی بحران پیدا نہ ہو سکے۔

مصنف نے اس ناول میں ترکہ کی رقم کی تقسیم کے حوالے سے بھی معاشی تصور کو پیش کیا ہے۔ آج کے مادی دور میں انسان دولت کی لالچ اور معاشی مسائل سے بچنے کے لیے وراثت کی جائیداد اپنے سگے بہن بھائیوں کو دینے سے انکار کر دیتا ہے۔ بلکہ اس لالچ میں مبتلا ہو کر سگے بہن بھائیوں کو اپنا ماننے سے بھی انکار کر دیتا ہے۔ اس ناول میں "سید حاضر" اور "سید ناظر" دو اہم کردار ہیں۔ یہ دونوں 'میر تقی 'جو مبتلا کے چچا تھے کے بھانجے اور 'غیرت بیگم 'کے بھائی تھے۔ یہ دو نوں معاشی حوالے سے کافی مضبوط تھے۔ گاؤں کے جاگیر دار تھے۔ دولت کی لالچ میں ہر طرح کا جھوٹ بولتے ہیں۔ بڑے بھائی کے ذرائع معاش کے حوالے سے مصنف لکھتے ہیں:

" سید حاضر جو غیرت بیگم سے بڑا اور اکبر اولاد تھا سید نگر میں مکان کی
خبر گیری کرتا تھا اور رعایا سے وصول تحصیل کرتا اور سیر کا جتوانا بوانا غرض گاؤں کا
سب کام کاج اس کو سپرد تھا۔"(۱۶)

سید حاضر کو اپنے چچا کی نصیحت کرنے پر محسوس ہوا کہ اس کے معاش کے تمام ذرائع نا جائز ہیں۔ اس کا کھانا پینا، اوڑھنا بچھونا، اور ساز و سامان اور مال و متاع اور تمام نقد و جنس حتیٰ کہ اپنا گوشت پوست کوئی چیز بھی حلال محسوس نہ ہو رہی تھی۔ اس نے اپنے چھوٹے بھائی سید ناظر کے کہنے پر اپنی چھوٹی بہن کو وراثت سے محروم کر دیا تھا۔ جب وہ اپنے چھوٹے بھائی کو سمجھاتا ہے کہ بہن کو اس کا جائز حق دینا چاہیے تو چھوٹا بھائی سید ناظر کہتا ہے:

"اگر ماموں اپنے فتوے مکے سے لکھوا کر لائے ہیں۔ تو اس کو اپنی قدری میں چپکا رکھیں۔۔۔ یہاں شریف مکہ کا حکم نہیں چلتا۔ انگریز بہادر کی عمل داری ہے۔ میں نے برسوں کی جستجو کی ہے۔ پریوی کونسل اور عدالت ہائے عدلیہ ہائی کورٹ اور چیف کورٹ اور جوڈیشنل کے فیصلوں اور میگنائن اور سریزی لاء کی شرح محمدی سے وہ وہ نظائر اور احکام چھانٹ کر رکھے ہیں کہ اگر آپا سے جہیز واپس نہ کرالوں تو سیّد نہیں چمار۔۔۔"(۱۷)

سیّد ناظر کی دولت کی ہوس اس قدر بڑھ چکی تھی کہ اپنے بڑے بھائی سیّد حاضر کے سمجھانے پر اس نے ایک نیا طریقہ نکالا وہ اپنے بھائی سے کہتا ہے:

"ناظر۔۔ آپ بٹوارے کی درخواست میں لکھ دیجیے کہ اگرچہ میرے نام نصف لکھا ہے۔ مگر حقیقت میں میرا دو خمس ہے۔ اُسی قدر کا بٹوارہ کر دے گا۔ حاظر۔۔۔ تو غیرت بیگم کا ایک عشر بھی تمھاری طرف منتقل ہو جائے گا۔ ناظر۔ آپ کا اس میں کیا حرج ہے۔ غیرت بیگم کا مطالبہ میرے سر رہے گا۔"(۱۸)

سید ناظر نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ عدالت میں آکر اپنے سگے بہن بھائی کو لے پالک ظاہر کر دیا تا کہ پوری جائیداد پر قبضہ کیا جا سکے۔ اس کی غلط کاریوں اور معاشی ہوس کے بارے میں مصنف بیان کرتے ہیں:

"اس نے دیوانی میں سالم حقیقت پدری کا دعویٰ دائر کیا۔ اس بیان سے کہ نہ حاضر میر باقر کا بیٹا ہے اور نہ غیرت بیگم میر باقر کی بیٹی۔ اس نے بات یہ بنائی کہ میر باقر کا اکلوتا بیٹا میں ہوں۔" (۱۹)

سید ناظر کا ذریعہ معاش " وکالت" تھا۔ لیکن اس نے اس مقدس پیشے کو ناجائز ذریعہ معاش بنا دیا۔ وہ قانونی موشگافیوں سے واقف تھا۔ سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کا سچ کر دکھانا اس کے بائیں بازو کا کمال تھا۔ پیسوں کی خاطر ہر کام کر سکتا تھا۔ مقدمے بازی اس کی گھٹی میں پڑی تھی۔ سید حاضر کا اس کے بارے میں کہنا تھا:

" وہ ایک ایسا سانپ ہے کہ اس کا کاٹا پانی نہ مانگے اور اس کا ڈسا ہوا پھٹکا نہ کھائے۔"(۲۰)

اس طرح کے لوگ ہماری سماج میں کثرت سے موجود ہیں جو ذاتی اغراض کے لیے ہر جائز ذریعہ معاش کو ناجائز ذرائع میں تبدیل کر لیتے ہیں۔ اس ناول میں نذیر احمد نے طوائف کے پیشے

کے حوالے سے بھی معاشی تصورات کو بیان کیا ہے۔ مبتلا کی دوسری بیوی کا نام ' ہریالی ' تھا۔ وہ پیشے کے اعتبار سے طوائف تھی۔ یہ ایک ایسا پیشہ ہے جس سے سبھی لوگ نفرت کرتے ہیں۔ ہریالی خود اپنے بارے میں کہتی ہے:

" ہم لوگوں کا کم بخت اس طرح کا پیشہ ہے کہ قرآن کا جامہ پہن لیں تب بھی تو کوئی اعتبار نہیں کرتا۔"(۲۱)

اس ناول میں طوائف کا کردار پہلی بار پیش کیا گیا ہے لیکن ہریالی اپنے طبقہ کی نمائندہ کردار نہیں ہے بلکہ وہ ایک خانگی عورت کی شکل میں سامنے آتی ہے۔ وہ مبتلا کو اپنی اداؤں سے لبھاتی ہے۔ مبتلا کے ساتھ گھر بسا کر رہنا چاہتی ہے۔ اس لیے اس کے گھر ایک ملازمہ کے روپ میں آتی ہے۔ لیکن آخر میں اس کے اندر ایک طوائف پھر سر اُٹھاتی ہے۔ جب مبتلا کی وفات ہوتی ہے تو وہ ماتم کرنے کی بجائے گھر کا سارا سامان لے کر بھاگ جاتی ہے۔

نذیر احمد نے اس ناول میں وراثت کی تقسیم، گھریلو معاشی مسائل اور مختلف پیشوں کے حوالے سے معاشی تصورات کو بیان کیا ہے۔ یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ لوگ کس طرح دولت کی ہوس میں اپنے جائز رشتوں کو بھی بھول جاتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ اپنے پیشوں کا بھی غلط استعمال کرتے ہیں۔ اس طرح مصنف نے معاشی تصورات کا عمدہ نمونہ پیش کیا ہے۔

ابن الوقت

نذیر احمد نے ناول ابن وقت ۱۸۸۸ء میں لکھا۔ اس وقت سرسید کی تحریک زوروں پر تھی۔ آپ ان دنوں بے روزگار تھے جس کی وجہ سے آپ نے اس تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

اس دور میں مختلف سیاسی، سماجی اور مذہبی تحریکیں چل رہی تھیں ان تحریکوں کی وجہ سے اس دور کے مسلمان تین طبقوں میں بٹ گئے تھے۔ ایک طبقہ انگریزوں سے متنفر تھا۔ دوسرے طبقہ کے سربراہ سرسید تھے اور تیسرے طبقے والے بین بین تھے۔ مصنف تیسرے طبقہ کے نمائندہ تھے۔ حامد حسن قادری لکھتے ہیں:

" ابن الوقت میں انگریزی معاشرت کی کورانہ تقلید کے نتائج دکھائے گئے ہیں۔"(۲۲)

اس ناول میں چار کردار اہم ہیں۔ پہلا کردار 'ابن الوقت' کا ہے، دوسرا 'مسٹر نوبل' کا اور تیسرا 'حجۃ السلام اور چوتھا مسٹر فلپ کا ہے۔ ابن الوقت ابھی طالب علم ہی تھا تو والد کی وفات ہو گئی جس کی وجہ سے گھر کی تمام معاشی ذمہ داری اس پر آ گئی اور نواب معشوق محل بیگم کی موروثی مختاری بھی مل گئی۔ لیکن مسٹر نوبل کی جان بچانے کے عوض آپ کو ملکہ وکٹوریہ کی جانب سے بڑی جاگیر مل گئی۔ مصنف لکھتے ہیں:

> "جب ابن الوقت کی نوبت آئی اور اس کا نام پکارا گیا تو صاحبِ کمشنر نے اس کو سامنے کھڑا کر کے اپنے ہاتھ سے نادان سنگھ جاٹ باغی زمین دار ضلع گوڑ گانوہ کے علاقہ منضبطہ میں سے موضع کھیر کا پور (خیر خواہ پور) جمعی تین ہزار روپے سالانہ کی سند زمین داری نسلاً بعد نسلاً دستخطی مہری الاٹ صاحب کے حوالے کی۔"(۲۳)

نذیر احمد نے اس ناول میں کئی مسائل کو بیان کیا ہے جن میں سب سے اہم مسئلہ ہندوستان کی معاش کا ہے۔ اس مسئلے کو انھوں نے ابن الوقت اور مسٹر نوبل کے درمیان ایک ملاقات کے ذریعے بیان کیا ہے۔ جس میں ابن الوقت ہندوستان کی معاشی صورت حال پر ایک تقریر کرتا ہے اور یہ واضح کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ ہندوستان کے معاشی زوال کے ذمہ دار انگریز ہیں۔ اس تقریر کے حوالے سے ڈاکٹر یوسف سرمست لکھتے ہیں :

> " نذیر احمد نے انگریزوں نے جو قدیم نظام ختم کر کے جدید نظام قائم کیا اور اس کی وجہ سے ہندوستان میں جو معاشی ابتری آئی اس کا بڑا ہی تفصیلی اور بصیرت افروز جائزہ لیا ہے۔ نذیر احمد نے جس بصیرت سے ہندوستان کے معاشی حالات کا جائزہ لیا ہے وہ پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔" (۲۴)

برطانوی سامراج کی اقتصادی اور معاشی پالیسیاں ہندو مسلم فسادات اور فرقہ واریت کو جنم دے رہی تھیں۔ خاص طور پر یہ بنگال میں بہت نمایاں ہو چکی تھیں۔ سرکاری ملازمتوں پر ہندوؤں کا غلبہ تھا۔ مسلمان زمین داری اور تجارت سے دور تھے۔ صرف ملازمت پر ان کا گزر تھا۔ انگریز حکومت کے آنے سے یہ ذریعہ معاش بھی جاتا رہا۔ اس کے علاوہ مصنف نے ہندوستان کی معاشی بدحالی کی ایک وجہ تعلیم بھی بتائی ہے۔ انگریز تعلیم کی وجہ سے معیشت میں ہم سے بہت آگے نکل گئے ہیں۔ مصنف اس کے لیے دلائل دیتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

" مگر چونکہ ہندوستان کے لوگ نئے علوم سے ناواقف ہیں ۔ خداداد سرمایہ سے فائدہ اٹھانے کا سلیقہ نہیں رکھتے۔ ہندوستان کی بدقسمتی اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگئی کہ مثلاً روئی ہندوستان سے ولایت جاتی ہے اور وہ لوگ اپنی ہنرمندی سے اسی روئی سے انواع واقسام کے کپڑے بنا کر پھر ہندوستان کے ہاتھ چند در چند نفع پر فروخت کرتے ہیں۔ "(۲۵)

نذیر احمد نے ہندوستان میں معاشی زوال کی جو وجہ بتائی ہے اس سے ان کے معاشی شعور کا اندازہ کیا جا سکتا ہے ۔ مصنف کے خیال میں ہندوستانی محنت کرنے میں عار محسوس کرتے ہیں ۔ جبکہ انگریز محنت کرنے کو کامیابی کی علامت سمجھتے ہیں۔ بلکہ ملکہ معظمہ کے اپنے تمام رشتے دار نوکریاں کرتے ہیں۔ اس معاشی تصور کے حوالے سے مصنف لکھتے ہیں:

" خاندانِ شاہی میں کوئی متنفس اس کیے سے مستثنٰی نہیں اور خود ملکہ معظمہ کے بیٹے پوتے قاعدے کے مطابق چھوٹے چھوٹے عہدوں سے نوکری شروع کرتے ہیں ۔ تو دوسرے کس گنتی میں ہیں۔ "(۲۶)

ابن الوقت کی اس تقریر میں ہندوستان کی معیشت کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ ہندوستان میں اس وقت سونے چاندی کی ندیاں بہہ رہی تھیں لیکن ہندوستانیوں کی معاشی حالت روز بروز خراب ہوتی جا رہی تھی۔ ابن الوقت نے اپنی تقریر میں اس وقت کے ذرائع معاش کو چار حصوں میں تقسیم کیا ہے:

"ذرائع معاش کے اعتبار سے ہندوستان کے لوگ چار طرح کے ہیں۔ اوّل کسان کے، دوم اہل حرفہ ، سوم نوکری پیشہ ، چہارم تجارت پیشہ ۔ کسان کی قسم میں تعلقہ دار سے لے کر بلواہے تک، زمین دار، کاشت کار باقسام ہم سب داخل ہیں۔ جو زمین سے معاش پیدا کرتے ہیں۔ "(۲۷)

نذیر احمد نے ذرائع معاش کے لحاظ سے چار اقسام بتائی ہیں ۔ ان میں سے چھوٹے کسان اور کاشت کار کی حالت سب سے زیادہ تباہ کن اور خستہ تھی اور مزید خراب ہوتی جا رہی تھی لیکن سرکار اس کی طرف توجہ نہیں دے رہی تھی۔ کسانوں کے ساتھ ساتھ اہل حرفہ کی حالت بھی خراب ہو رہی تھی اور دیکھتے دیکھتے بہت سی عمدہ آمدنی کے ذرائع ختم ہو گئے تھے اور ختم ہوتے جا رہے تھے اس حوالے سے مصنف لکھتے ہیں:

"اب کہاں ہیں وہ ڈھاکہ کی ململ، بنارس کی مشروع، اورنگ آباد کے کمخواب، بیدار کے برتن، کاپی کے کاغذ، کشمیر کی شالیں، لاہور کے ریشمی ڈورپے ؟۔۔۔"(۲۸)

مصنف نے جن مختلف پیشوں کا ذکر کیا یہ تمام پیشے نو آبادیاتی دور میں ختم ہو گئے تھے۔ اس کے ذمہ دار انگریز حکومت ہی تھی جن کا مقصد ہندوستان کا تمام خام مال انگلستان بھیجنا اور اسی مال سے تیار شدہ اشیاء دوبارہ ہندوستانیوں کو فروخت کرنا تھا۔ یہ اشیاء اس قدر خوبصورت اور وافر مقدار میں ہوتی تھیں کہ ہندوستان کی عوام ان کو خریدنے پر مجبور ہو جاتی تھی۔ اس وجہ سے وہ مزید معاشی تنگ دستی کا شکار ہو گئے تھے۔ اس کے علاوہ اس پسماندگی کا اصل سبب خود ہندوستان کی جاہل عوام تھی جو اپنی حالت کی بہتری کی کوشش نہیں کر رہی تھی۔ ناول میں مصنف نے ہندوستان کے معاشی مسائل کو بیان کر کے بھرپور معاشی تصورات کو پیش کیا ہے۔

ایامیٰ

مولوی نذیر نے اس ناول میں "مولویت" کے پیشے کے حوالے سے معاشی تصورات بیان کیے ہیں۔ یہ ناول ۱۸۹۱ء میں لکھا گیا۔ آزادی بیگم کے ددھیال تو نہیں ننھیال میں ابھی تک مولویت ہی کا پیشہ تھا۔ آزادی کی ماں ہادی بیگم بھی مولویوں کی بیٹی، پوتی اور نواسی تھی۔ آزادی کا باپ خواجہ آزاد پیشے کے اعتبار سے سکول ماسٹر تھا۔ وہ مولویوں کے پیشے کو اچھا نہیں سمجھتا تھا۔ خواجہ آزاد ہر وقت ہادی بیگم کو تنگ کرتا رہتا تھا۔ مولویوں کا مذاق اڑاتا رہتا تھا کہ مولوی سارا دن بے کار رہتے ہیں۔ واعظ کہہ دیا اور فتویٰ لکھ دیا۔ امامت کر دی۔ اللہ اللہ خیر صلاح۔ دنیا دار لوگ گھر بیٹھے ان لوگوں کی خدمت کرتے ہیں۔ یہ لوگ توکل کی بجائے بھیک مانگتے ہیں۔ نذیر احمد لکھتے ہیں :

" یہ اچھے بچھے۔ ہٹے کٹے۔ موٹے تازے۔ اندھے نہیں۔ لولے نہیں۔ لنگڑے نہیں ان کو دوسروں کی کمائی کھانے کا کیا حق ہے۔؟"(۲۹)

خواجہ آزاد اپنی بیگم ہادی سے بحث کرتے ہوا کہتا ہے کہ مولوی اور جو لوگ مولویوں کی خدمت کرتے ہیں، وہ اسلام کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ مسلمانوں کی تباہی، خستہ حالی، مفلسی سب کا وبال مولویوں پر ہے۔ مولوی بھی ملکی معیشت پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ وقت کے حاکم تو انگریز ہیں وہ اپنی عقل اور دولت سے ہم پر قبضہ کیے ہوئے ہیں :

"اچھا اپنے میکے میں جا کر تحقیق کر لینا کہ مفسروں نے صالحوں کے معنے لکھے ہیں جن کو ملک داری کی صلاحیت ہو۔ ہم کسی بات میں انگریزوں کے مد مقابل نہیں ہو سکتے

۔۔۔۔ اگر ہم میں یہ مادہ ہوتا تو انگریز پانچ ہزار کوس سے ہندوستان میں آکر عمل داری ہی کیوں کرنے پاتے ؟" (۳۰)

خواجہ آزاد نے مزید مولویت کے پیشے پر بحث کرتے ہوئے کہا کہ وہ ان کی شکایت اللہ تعالیٰ سے کرے گا کہ ان کو دوسروں کی کمائی کھانے کا کوئی حق نہیں۔ دوسروں کو زہد کی تعلیم کرتے ہیں اور آپ مردے کی جانماز تک نہیں چھوڑتے۔ خود بھی نکھٹو ہیں اور اپنے ساتھ احدیوں کی ایک پلٹن تیار کی ہے۔ لوگوں کو دکھانے کے لیے نیک بنے ہوئے ہیں لوگوں کو ٹھگتے ہیں، مسجدوں کی تعمیر کے نام سے ٹھگتے ہیں۔ مولوی سید بھی بن جاتے ہیں اور سامنے آئی زکوٰۃ بھی نہیں چھوڑتے۔

خواجہ آزاد کے تمام الزمات کا جواب ان کی بیوی ' ہادی بیگم ' دیتی ہے۔ ہادی بیگم کا کہنا ہے کہ 'مولوی ' کسی کے نوکر چاکر نہیں۔ وہ کھانے جو امیروں کو بھی نصیب نہیں وہ خدا کی ذات مولویوں کو بے رحمت، بے مشقت دنوں وقت مفت کھلاتا ہے۔ ہادی بیگم کہتی ہیں:

" مولوی بھی کام کرتے ہیں۔ وعظ کہتے ہیں۔ طالب علموں کو پڑھاتے ہیں۔ لوگوں کو مسئلے مسائل بتاتے ہیں۔ کیا ان باتوں میں ان کا وقت صرف نہیں ہوتا۔" (۳۱)

ہادی بیگم کا کہنا تھا کہ مولوی فکر معاش سے آزاد ہوتے ہیں کیونکہ اگر آزاد نہ ہوں تو وہ لوگوں کو ہدایت کیسے کریں گے۔ یہ غریب تو کسی کے لینے دینے میں نہیں ہیں۔ ان کے پاس لاؤ و لشکر نہیں۔ مسجدوں میں بیٹھے اللہ اللہ کرتے ہیں۔ اگر کوئی پڑھنے آگیا تو اس کو پڑھادیا۔ نماز پڑھنے کا کہتے ہیں۔ نشہ، چوری اور ناچ سے منع کرتے ہیں۔ بے روزگاری اور ملنساری سے زندگی بسر کرتے ہیں۔

مولوی نذیر احمد نے اپنے تمام ناولوں میں ہندوستان کی عوام بلکہ مجموعی طور پر پورے ملک کی معیشت پر بات کی ہے اور اس کی تباہی کے اسباب اور اس کی بہتری کے طریقے بھی بتائے ہیں۔ اسی وجہ سے جب یہ کہا جاتا ہے کہ نذیر احمد کے ناول مقصدی ہیں تو اس میں ایک مقصد معاشی بہتری کی کوشش کرنا بھی شامل تھا۔ ان کے تمام ناول معاشی تصورات کے عمدہ عکاس ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ نذیر احمد، مولوی، مراۃ العروس، دہلی: کتب خانہ بشیر و نذیر اردو بازار جامع مسجد، س ن، ص ۵

۲۔ ایضاً، ص ۷۶

۳۔ ایضاً، ص ۱۱۳

۴۔ ایضاً، ص ۱۴۵

۵۔ نذیر احمد، مولوی، بنات النعش، لکھنؤ: نولکشور پریس، ۱۹۳۲ء، ص ۱۰۴

۶۔ ایضاً، ص ۹۸

۷۔ ایضاً ص ۳۷

۸۔ ایضاً ص ۳۶

۹۔ ایضاً ص ۱۴

۱۰۔ ایضاً ص ۶۵

۱۱۔ ایضاً ص ۶۰

۱۲۔ نذیر احمد، مولوی، توبۃ النصوح، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۴ء، ص ۲۱

۱۳۔ ایضاً ص ۳۱

۱۴۔ ایضاً ص ۲۷۴

۱۵۔ نذیر احمد، مولوی، فسانۂ مبتلا، دہلی: دارالاشاعت مسلم منزل کھاری، ۱۸۸۵ء، ص ۶۴

۱۶۔ ایضاً، ص ۷۶

۱۷۔ ایضاً ص ۸۶

۱۸۔ ایضاً ص ۹۲

۱۹۔ ایضاً ص ۹۷

۲۰۔ ایضاً ص ۱۴۹

۲۱۔ ایضاً ص ۱۶۲

۲۲۔ حامد حسن قادری، داستان تاریخ اردو، لاہور: اردو اکیڈمی ایڈیشن، ۱۹۶۹ء، ص ۵۸۵

۲۳۔ نذیر احمد، مولوی، ابن الوقت، دہلی: مکتبہ جامعہ لمٹیڈ، ۱۹۸۰ء، ص ۶۴

۲۴۔ یوسف سرمست، ڈاکٹر، بیسویں صدی میں اردو ناول، حیدر آباد: نیشنل بک ڈپو، ۱۹۷۳ء، ص ۱۸

۲۵۔ ایضاً ص ۱۰۰

۲۶۔ ایضاً ص ۹۹

۲۷۔ ایضاً ص ۱۳۷

۲۸۔ ایضاً ص ۱۴۱

۲۹۔ نذیر احمد، مولوی، ایامیٰ، دہلی: پرنٹنگ ورس، ۱۸۹۱ء، ص ۳۳

۳۰۔ ایضاً ص ۳۴